مولانا عبدالرزاق سنگینوی

علمائے حق کا اوڑھنا بچھونا

اعلائے کلمۃ الحق

امت مسلمہ کی ترقی و نشو و نما میں اعلائے کلمۃ الحق کی آبیاری کو حد درجہ دخل ہے، جب تک یہ روح ہمارے دل و دماغ میں جاری و ساری رہی، ہم آگے بڑھتے رہے، اور جب یہ سپرٹ فنا ہو گئی، ادبار کی منزل قریب سے قریب تر ہوتی گئی ــــــ

" افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر "

جب انسان اس حدیث پر سوچنے لگتا ہے، تو ذہن میں چند سوالات ابھرنے لگتے ہیں، اور انہی سوالات پر غور و فکر کرنے سے ہی اعلائے کلمۃ الحق کی اہمیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے، سب سے پہلا سوال جو ذہن انسانی سے ٹکراتا ہے، وہ یہ ہے کہ کیوں جابر سلاطین کے آگے اعلائے کلمۃ الحق افضل الجہاد ہے۔؟ پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تمام عبادتوں اور فریضوں میں سب سے زیادہ کٹھن فریضہ جہاد ہی ہو سکتا ہے، باقی عبادات اور فرائض اسی کے گرد منڈلاتے ہیں، اور اسی کا اثر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی پر لامحالہ پڑتا ہے، نماز روزہ وغیرہ انفرادی عبادتیں ہیں، اسی طرح ان کے اثرات بھی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کے نتائج کا اثر بھی انسان یا مسلمان کی انفرادی زندگی پر پڑتا ہے، اور پھر فی زمانہ نماز اور روزہ وغیرہ دوسری عبادات میں اتنی قربانی دینے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی، جتنی جہاد میں، کیونکہ جہاد تو دین کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے ہی کا دوسرا نام ہے، یا یوں سمجھئے کہ آپ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، قربانی کرتے ہیں، اور ان عبادات سے آپ کو کوئی نہیں روکتا، کوئی حکومت آپ کی مانع نہیں جاتی، کوئی طاقت آپ کی سد راہ نہیں بنتی، لیکن کوئی وقت خدانخواستہ ایسا آن پڑے کہ آپ کو نماز پڑھنے کی

بھاری قیمت ادا کرنی پڑے، قربانی دینے میں کوئی حکومتی قانون مانع آئے۔ زکوٰۃ دینے اور حج کرنے پر کوئی پابندی عائد کر دی جائے، غرض اسلام کے جملہ ارکان یا کسی ایک رکن پر عمل پیرا ہونے میں کوئی طاقت سد راہ بنے تو اس وقت آپ کو مسلمان رہنے کیلئے کیا تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی، ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی آپ کیا سبیل نکالیں گے۔؟

غرض ان رکاوٹوں کے دور کرنے کی تدابیر سوچنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا دوسرا نام جہاد ہے، جیسے بدن انسانی میں ہر عضو کا اپنا کام ہوتا ہے۔ لیکن وہ عضو تب ہی اپنا کام بخوبی کر سکتا ہے، جب اس میں خون گردش کرے، بعینہ اسلام کے دیگر ارکان و فرائض اعضا کی مانند ہیں، اور جہاد ایسا ہی ہے، جیسا انسانی رگوں میں خون دوڑتا ہے، جس قوم میں روح جہاد باقی نہ رہی تو سمجھنا چاہیئے، کہ اس کے اعضاء میں دوران خون نہ رہا، وہ زندہ تو رہے گا، لیکن اس کی زندگی ایک مفلوج شخص کی زندگی ہی ہوگی، ویسے تو اپاہج بھی زندگی کے روز و شب گذارتا ہے، لیکن ایسی زندگی سے موت بہتر ہے، کیونکہ زندگی فقط سانس لینے کا نام نہیں۔ جہاد کیا ہے ایک انقلابی قوت ہے، ایک محور ہے جس کے گرد تمام عبادات اور فرائض گردش کرتے ہیں۔ لہٰذا سے

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی

اس ضمن میں دوسرے سوالات جو انسانی ذہن میں ابھرتے ہیں، وہ یہ ہیں، کہ اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ کس طبقہ نے زیادہ ادا کیا، اور اس کے نتائج کیا رہے۔؟

۱۔ ان سوالات کو لیجئے، سب سے پہلا سوال کہ جابر سلاطین کے آگے کلمۃ الحق کیوں افضل الجہاد ہے۔؟ کیا صفحۂ ہستی پر سلاطین کے علاوہ کیا دوسرے طبقات انسانی نہیں رہتے۔؟ اس دنیا میں جس میں آپ اور ہم زندگی کا سانس لیتے ہیں، مختلف گروہوں کا وجود ہے، اہل تجارت بھی ہیں، اہل زراعت بھی، شاعر بھی ہیں اور صنعتکار بھی۔ دکاندار بھی ہیں اور گاہک بھی، اور مختلف پیشوں کے لحاظ سے دیکھا جائے، تو یہ دنیا بھان متی کے کنبے سے کم نہیں۔ اور پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ یہ ان تمام طبقوں سے بھی دین کے معاملے میں فروگذاشتیں ہوتی ہیں، کوتاہیاں معرض وجود میں آتی ہیں۔ مختلف غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن ان کو ان غلطیوں، کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے روکنے اور ٹوکنے کو تو جہاد نہیں کہا جاتا ہے، بلکہ تبلیغ کا نام دیا جاتا ہے، امر بالمعروف کہا جاتا ہے۔ نہی عن المنکر سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن ارباب اقتدار کے سامنے حق گوئی نہ صرف جہاد بلکہ افضل الجہاد بن جاتی ہے۔

اگر آپ گذشتہ سطور سے کسی نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں، تو آپ جھٹ پکار اٹھیں گے کہ

دوسرے لوگوں کو روکنے سے کسی پر کوئی آفت نہیں ٹوٹتی ستم کے پہاڑ نہیں ڈھائے جاتے، اور بیباکی کے جرم کی پاداش میں زبان نہیں کاٹی جاتی، اور پابند زنجیر و سلاسل نہیں ہونا پڑتا، اور بات کسی حد تک سچ بھی ہے، واقعی بادشاہوں اور جابر بادشاہوں کو کڑوی بات کہنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لیکن معاملہ صرف یہیں نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کی زد ان آگے اُمت ٹوٹتی ہے، بادشاہوں کے علاوہ دوسرے طبقات انسانی کے جرائم چونکہ انفرادی ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا اثر بھی انفرادی رہتا ہے۔ لیکن بادشاہ میں ایک خرابی پیدا ہو کر صرف اسکی ذات تک محدود نہیں رہتی، بلکہ بادشاہ سے آگے بڑھ کر دربار اور دربار سے بازاروں تک پہنچ جاتی ہے، اس کا ایک سیب کھانا ہی باغات کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کیلئے کافی ہے۔ اور پھر یہ خرابی جب ایک دفعہ پیدا ہو جائے تو نہ صرف اس عہد تک رہتی ہے، بلکہ صدیوں تک اس کا عمل دخل رہتا ہے، نہ صرف مکان بلکہ زمان تک میں پھیل جاتی ہے، کسے خبر تھی کہ وہ منحوس بوٹی جو عہد اکبری میں چند پرتگالی تحفۃً لائے، اس کے رسیا عوام الناس بن جائیں گے، اور نہ صرف اس وقت کے عوام الناس بلکہ تین چار صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی حقہ کی بدعت کم نہیں ہوئی، بلکہ پھیلتی چلی گئی، اس کا اثر گھٹا نہیں، بلکہ بڑھتا ہی رہا، حتیٰ کہ آج سکول کے بچے تک سگریٹ نوش بن گئے۔

بنیاد ظلم در جہاں اوّل اندک بود ہر کہ آمد بر آں مزید کرد

یہی وجہ ہے کہ مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا تھا کہ اصلاح عوام کیلئے اصلاح سلاطین ضروری ہے، راجہ کا اثر پرجا پر پڑتا ہے، اعضائے رئیسہ کے بگڑنے پر تمام اعضاء کا اس سے متاثر ہو جانا یقینی ہے۔ الناس علی دین ملوکہم۔ صدر مملکت کا اثر پھر صرف پارلیمنٹ تک محدود نہیں رہتا، بلکہ تمام محکمے بگڑ جاتے ہیں، اگر ملک کا سربراہ خویش پرور ہو تو ہر افسر اقربا نوازی کا شکار ہوگا، اگر ظالم ہو تو چپڑاسی تک رشوت خور بن جائیں گے، فاسق و فاجر ہو تو فسق و فجور کی آندھیاں چلیں گی، تو چونکہ ان کا بگاڑ اجتماعی بگاڑ ہے، لہٰذا مفاسد کا سرچشمہ بند کر دینا افضل الجہاد نہ ہو تو اور کیا ہو۔؟

دوسرا سوال کہ افضل الجہاد کا فریضہ کس طبقہ نے ادا کیا۔؟ اس کا جواب ایک ہی ہے کہ علماء نے، لیکن پہلے سوال کی طرح اس ایک سوال کے ساتھ بھی سوالات کی مختلف کڑیاں مربوط ہیں، کہ کیا دوسرے انسانی طبقات کا وجود نہ تھا، لیکن یہ توفیق علماء ہی کو نصیب ہوئی، اور یہ رتبہ بلند انہی کو فقط کیوں ملا، حالانکہ اور بھی مدعی دار و رسن سمجھے، اور ہیں۔؟ تو اسکی ایک وجہ تو ظاہر و باہر ہے کہ انما یخشی اللّٰہ

من عبادہ العلماء، لیکن ایک سوال پھر ذہن کا تعاقب کرنے لگتا ہے، کہ دیگر امتوں کے علماء تو خرابیاں لانے میں سلاطین سے پیچھے نہ تھے، بلکہ ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ خدا کا کلام ناطق ہے کہ ان کثیرا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل۔ ان کے فقہا تو بادشاہوں کیلئے ظلم کے جواز کی خاطر فتوے بہم پہنچاتے رہے، یہاں تک کہ حدود و تعزیرات بھی صرف غربا کا نوشتہ معقدر بن چکا تھا، چوری کرکے ہاتھ کٹوانا کھاتے پیتے گھرانوں پر لاگو نہیں ہو سکتا تھا۔ سوسائٹی اور انسان معاشرہ اس حد تک بگڑ چکا تھا، جب اسرائیلی فقیہوں نے آ کر ، زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، تو حضرت عیسیٰ نے فرمایا، کہ بلاشبہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن وہ شخص حصہ لے جو خود کبھی زنا کا مرتکب نہ ہوا ہو، خود یورپ میں قرون وسطیٰ میں پوپوں اور ان کے چیلے چانٹے پادری معافی ناموں کے بہانے کیا گل کھلاتے رہے۔

لیکن اسلامی تاریخ ان بدنما دھبوں سے پاک ہے، اسلامی تاریخ میں یہ نہیں کہ جابر و ظالم بادشاہوں کا وجود نہ تھا، بلکہ ہر دور میں انہی کی اکثریت رہی ہے، لیکن ان کی خرمستیوں کی راہ میں علماء ہی رکاوٹ بنے رہے، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی کون تھے۔؟ یہ وہی قدسی نفوس اور سعید روحیں تھیں، جنہوں نے جابر بادشاہوں کی خامیوں کی نشان دہی کی اور برسر دربار اعلان حق سے نہ ہچکچائے، شمشیروں کے سایہ تلے حق بات کہتے رہے، اسلامی سلاطین میں بنی امیہ اور عباسیہ کا زمانہ کتنا نازک دور تھا۔؟ لیکن ان میں بھی علمائے حق کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی، اور ایسے فقروں کی گونج اب بھی تاریخ کے طالب علم کے کانوں میں سنائی دے رہی ہے کہ یا ظالم! انا ظالم ان لم اقل لک یا ظالم۔ یعنی جن کو تمام لوگ امیر المومنین کہہ کر پکارتے تھے، انہیں یہ راستباز زبانیں یا ظالم! کہہ کر پکارتی رہیں۔ ایسے الفاظ کتابوں کے اوراق میں اب بھی ملتے ہیں۔ کہ قد ملأت الارض ظلماً وجوراً۔ کہ روئے زمین ظلم وجور کا گہوارہ بن گئی، اور پھر یہ نہیں کہ یہ جذبات نہاں خانۂ دل میں دبے تھے، یا سلطنت کے کسی دور افتادہ گوشہ میں کسی بند کوٹھڑی میں زبان کی نوک پر لائے گئے، بلکہ ان کی گونج ان درباروں میں سنائی دی، کہ جہاں قیصر روم کے سفیر بھی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء نے تابعین اور صحابہ کے آغوشِ صحبت میں تربیت پائی، اقوال صحابہ اور ارشادات رسول نے اس جذبہ کیلئے صیقل کا کام دیا، چنانچہ یہ راستباز زبانیں کٹ گئیں،

لیکن ان میں لو نہ کبھی نہیں لگی ہے

جفا کے ہاتھ سے گردن وفا شعاروں کی کٹی ہے برسر میداں مگر جھکی تو نہیں

انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے، کہ ایک یورپی کلیسا بادشاہوں کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے، بادشاہوں کی خوشنودئ مزاج کیلئے انہیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے تھے، یورپ کی تمام تاریخ میں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے، روشنی کی ایک کرن مارٹن لوتھر ہی دکھائی دیتی ہے، لیکن گلشن اسلامی ہر دور میں ایسے سدا بہار پھولوں سے خالی نہیں رہا جنکی خوشبو سے عامۃ المسلمین مہک اٹھے، یہ راستباز زبانیں کبھی گنگ نہیں ہوئیں، یہ حق و صداقت کے علمبردار فقر و استغناء کے پیکر تھے، قناعت اور خودداری کا مجسمہ تھے، انہیں شاہی درباروں سے نفرت تھی، دولت ان کے آگے آگے نہ تھی بلکہ پیچھے پیچھے تھی، اقتدار ان کی دہلیز پر سر جھکاتا تھا، ایک طرف پادری خوشامد سے یورپی حکمرانوں سے مختلف مطلب برآریوں کی تگ و دو کر رہے تھے تو دوسری طرف یورپی راجواڑوں سے شان و شوکت ہزاروں کی نسبت سے بڑھ کر خلیفہ ہارون الرشید کے حلقۂ درس میں مودبانہ بیٹھا ہے، لیکن کیا مجال کہ دیگر خوشہ چینیوں کے مقابلہ میں ان سے ترجیحی سلوک روا رکھا گیا ہو، بلکہ خلیفہ ہارون الرشید باایں ہمہ عظمت و شوکت جو اسے حاصل تھی، آپ سے عرض کر رہا ہے کہ میں اپنی وسیع و عریض سلطنت کے ہر گوشہ میں "مؤطا" کی جلدیں بھیجنا چاہتا ہوں، تاکہ مفتی اسی کے مطابق فتویٰ دیں، حقیقتاً یہ ایک بڑا اعزاز تھا جس سے امام صاحب کو نوازا جا رہا تھا، لیکن امام مالک کے استغنا اور حق پسندی کا یہ عالم تھا، کہ خلیفہ کو یہ کہہ کر روک رہے ہیں کہ یا خلیفۃ المسلمین! لا تفعل ھکذا۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کو چیف جسٹس کا عہدہ پیش کیا جا رہا ہے، لیکن آپ اس سے برابر انکار فرما رہے ہیں، اور اسکی پاداش میں زندان کی تنگ و تاریک کوٹھڑی قبول کرتے ہیں، اس سلسلہ کی اتنی ان گنت مثالیں ہیں، کہ اگر صرف حجاج بن یوسف، عبد الملک بن مروان، اکبر اعظم اور شہنشاہ جہانگیر کے مستبدانہ دور ہی کے واقعات کو اکٹھا کیا جائے تو اس کے لئے کاغذ کے دفتر در کار ہوں گے، اور ٹنوں کاغذ اور منوں سیاہی سے بھی کام نہ چلے گا ہے

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین نگاہ تو ز داماں گلہ دارد

اس سلسلہ کی آخری کڑی یہ سوال ہے کہ اس کے نتائج کیا رہے، سو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان کربلاؤں نے اسلام زندہ رکھا، اسلام کی آبیاری کی، آج ہر ملک میں اسلام کے کروڑوں

نام لیوا موجود ہیں، یورپ میں آج مسیحیت دم توڑ رہی ہے، اشتراکی روس سے تو اسے مکمل دیس نکالا مل گیا ہے، لیکن مسلمان ہر اس آہنی کٹہرے میں بھی اسلام اور اس کے نظام پر مکمل اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ ابھی تک روس میں ایک مسلمان وزیر کا نام نظر نہیں آرہا، کیونکہ وہاں واحد پارٹی گورنمنٹ ہے، یعنی کمیونسٹ ہی برسر اقتدار آسکتے ہیں، اور وہی شخص انتخاب میں حصہ لے سکتا ہے جو کمیونسٹ ہو، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بام اقتدار تک پہنچنے کیلئے کمیونزم کا زینہ استعمال نہیں کرتے، یورپ میں برائے نام عیسائیت کا وجود تو ہے، لیکن نوے فیصد آبادی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات کو خیالی افسانہ قرار دے رہے ہیں، لیکن مسلمان ہر ملک میں کروڑوں کی تعداد میں پنجوقتہ نمازیں پڑھتے ہیں، رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں، غلامی میں زکوٰۃ انفرادی طور پہ ادا کرتے ہیں، حج اور قربانی کی رسوم کی ان کے ہاں مکمل پابندی ہے، پھر عجیب بات یہ ہے کہ جس ملک میں اعلائے کلمۃ اللہ زیادہ کیا گیا، مجاہد علماء کا وجود بکثرت رہا، اس ملک میں اسلام کی جڑیں زیادہ مضبوط رہیں، جیسے برصغیر پاک و ہند میں، کہ جہاں علماء کی مکمل جماعت ڈیڑھ سو سالہ غلامی میں اعلائے کلمۃ الحق کرتی رہی، تختہ دار پر لٹکتی رہی، کالے پانی کی صعوبتیں برداشت کرتی رہی، اور کاروان آزادی کیلئے صدائے جرس کا کام دیتی رہی، اس کا نتیجہ یہ رہا کہ بھارت میں بے شمار دینی درسگاہوں کا وجود ہے مسلمانوں کے پرسنل لاء کیلئے کئی صوبوں میں امارت شرعیہ تک قائم ہے، اور پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے اسلامی نظام کیلئے بھرپور کوششیں ہو رہی ہیں، اگر خدانخواستہ علماء آزادی کیلئے کام نہ کرتے، تو نئی پود یورپ کی طرح مذہب سے متنفر ہو جاتی۔

اس مرحلہ پہ ایک اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں تو علمائے سوء کا وجود بھی رہا ہے، جو بادشاہوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، ان کے مذموم ارادوں کیلئے فتویٰ دیتے رہے، لیکن اس کا جواب یہ ہے، کہ ان علماء نے نہ تو عوام الناس کو متاثر کیا، نہ ان کی گود میں علمی نسل پروان چڑھی، وہ صرف درباروں کو زینت بخشتے رہے، لیکن علمائے حق مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے، ان کے آگے آنے والے دور کے علماء زانوئے شاگردی تہ کرتے، اور ان کے کردار سے سبق حاصل کرتے رہے، انہی کے فیض صحبت نے ان میں حق گوئی و بیباکی کی روح پھونکی، پھر جس مدرسہ اور مکتب میں مجاہد علماء تھے، اس مدرسہ کے فضلا کی زیادہ تعداد اعلائے کلمۃ الحق پر عمل پیرا رہی، جیسے دارالعلوم دیوبند، آج آپ کو جتنے علماء سیاسی میدانوں

میں ملیں گے، وہی ہوں گے، جنہوں نے اسی مادرِ علمی کی گود میں پرورش پائی ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل — نسیم صبح تیری مہربانی

باقی رہے علماء سو تو ان کی مثال درخت کی ان شاخوں کی سی رہی جو خشک ہو گئیں، نہ ان میں کونپلیں پھوٹیں، نہ پھول لگے، نہ پتے، اور نہ انہوں نے پھل دیا، علمی نسل پھیلی تو ان بوریا نشینوں سے، جو مصائب سہتے رہے، لیکن حق بات کہتے رہے، جو درباروں سے وابستہ رہے، انہیں درس و تدریس سے پھر کوئی واسطہ ہی نہ رہا، بلاشبہ علمائے حق نے حق کی خاطر اپنی جانیں دیں لیکن اپنے کردار سے شاگردوں اور عوام الناس پر ایک لافانی اور دیرپا اثر بھی چھوڑا، اور علمائے سوء اپنی موت آپ ایسے مرے، کہ یہاں تک کہ ان کے نقوشِ عظمت و سطوت پر آج کوئی آنسو بہانے والا بھی نہ رہا۔ یہ شعر دونوں طبقوں کے کس قدر حسب حال ہے ؎

پھول تو دو دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

بقیہ: حج

اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے، اور آپ یہاں بھگتے ہیں۔ کلا واللہ کلا واللہ اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل قول صادق امین ہے قیمۃ المرء ہمتہ۔

بقدر الجد تکتسب المعالی — ومن رام العلی سہر اللیالی

بہ اندازِ محنت بلند درجات حاصل ہو سکتے ہیں، جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر رات کو جاگتا ہے۔

سوائے رضاء محبوب حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیئے ؎

دنیا و آخرت را بگذار و حق طلب کن — کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

"بجوش و بجوش و ہیچ مفروش"

دیرینہ، پیچیدہ، روحانی، جسمانی امراض کے خاص معالج ۔
جمال شفاخانہ رجسٹرڈ نوشہرہ ضلع پشاور